© rasailojaraid.com

اسلامی شریعت نے یہ نظریہ قوانینِ موضوعہ سے کم از کم گیارہ سو سال قبل پیش کیا ہے۔ قوانین موضوعہ میں اٹھارہویں صدی کے اواخر یا انیسویں صدی کے اوائل سے اس نظریہ کی ابتدا ہوئی ہے۔ اس سے قبل ان قوانین میں حریت و آزادی کی کوئی دفعہ نہیں تھی۔ بلکہ اربابِ اقتدار کے مخالف عقیدہ رکھنے والوں کے لیے ظالمانہ سزائیں مخصوص تھیں۔ یہ تاریخی حقائق و واقعات ہیں جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے بعد اہلِ یورپ کا یہ دعویٰ کہ وہ آزادی و حریت کے پہلے علم بردار ہیں ایک کھلا ہوا جھوٹ ہے، جو محض جہل و نادانی اور شریعت سے ناواقفیت کا پیدا کردہ ہے۔ اہلِ یورپ تو اس باب میں معذور ہیں، لیکن ہمارے لیے کیا عذر ہو سکتا ہے کہ ہم بھی یہی رٹ لگائے جا رہے ہیں۔

۲۶۔ نظریہ شوریٰ | اسلامی شریعت کا اصول شوریٰ ذیل کی دو آیات سے متعین ہوتا ہے:

وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ (الشوریٰ: ۳۸)

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (آل عمران: ۱۵۹)

یہ نظریہ کچھ سوسائٹی کے حالات کی پیداوار، یا اس کے تغیرات کا نتیجہ نہیں تھا۔ اس وقت کی عرب سوسائٹی کا حال ایسا نہیں تھا کہ اس میں ایسا ترقی یافتہ نظریہ پیدا ہو سکتا۔ بلکہ وہ تو جہل کی انتہائی پستیوں اور تنزل و انحطاط کی آخری منزلوں میں تھی۔ شریعت نے یہ نظریہ محض اس لیے پیش کیا کہ ایسے ایک نظریہ کا پیش کرنا، ایک کامل دائمی اور ناقابل تبدیل و تغیر شریعت کے مستلزمات سے تھا۔ یہ نظریہ فی نفسہٖ سوسائٹی کی سطح کو بلند کرنے والا تھا، جو شریعت کا ایک اہم مقصد ہے۔ یہ لوگوں کے شعور کو بیدار کرتا ہے۔ وہ اپنے عام مسائل میں غور و فکر کی طرف مائل ہوتے اور ان میں دلچسپی لینے لگتے ہیں۔ آئندہ پیش آنے والے امور پر گہری نگاہ رکھتے اور واضح طور پر نتیجہ خیز امورِ سلطنت کو بالکلیہ با اقتدار طبقہ کی مرضی و منشا پر نہیں چھوڑ دیتے۔ بلکہ خود بھی اس سے متعلق رہ اربابِ حکومت کے اعمال و حرکات کے نگراں رہتے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ نظریہ شریعت کی تکمیل سوسائٹی کی توجیہ و رہنمائی اور اس کی سطح کو بلند کرنے کے لیے پیش کیا گیا تھا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اصولِ شوریٰ کی دو نصوص جو اوپر پیش کی گئیں، اپنے اندر غایت درجہ عمومیت کی شان رکھتی ہیں اور ایسی ہیں کہ ہر حال میں کارآمد ہوں۔ مستقبل بعید میں بھی کبھی حکومت کو ان میں ترمیم و تبدیلی کی ضرورت نہیں پیش آسکتی۔ یہ اسی حقیقت کی عملی توضیح ہے کہ شریعت دوام کی شان رکھتی ہے اور کسی قسم کی ترمیم و تبدیلی اس میں نہیں ہوسکتی۔

یہی وجہ ہے کہ شریعت نے شوریٰ کا یہ نظریہ، صرف ایک عام اصول کی حیثیت سے پیش کر دیا ہے۔ اور اس کی تنفیذ کے لیے ضروری قواعد وضع کرنا سوسائٹی کے سربراہ کاروں پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ یہ قواعد زمان و مکان اور سوسائٹی کے حالات کے لحاظ سے بدلتے رہتے اور بدلے جا سکتے ہیں۔ سوسائٹی کے سربراہ کار حالات کے لحاظ سے اس بات کا حق رکھتے ہیں کہ شوریٰ کے اصول کی تطبیق میں قبیلہ کے سرداروں یا خاندان کے سرپرستوں کے ذریعہ عوام کی رائے معلوم کریں یا مختلف گروہوں کے نمائندوں کو عوام کی رائے کی حیثیت دیں۔ یا چند مخصوص صفات کے حامل افراد کو مشورہ کے لیے چنیں۔ یا راست رائے شماری یا رائے شماری بذریعہ نمائندگان کا اصول اختیار کریں۔ یا کوئی اور طریقہ اپنائیں جسے وہ سوسائٹی کی رائے معلوم کرنے کے لیے زیادہ بہتر سمجھتے ہوں۔ شرط یہ ہے کہ ان سے افراد، جماعت یا نظامِ عام کے مصالح متاثر نہ ہوں۔ اور انہیں نقصان نہ پہنچے۔

البتہ اس تطبیق و تنفیذ کے لیے چند اصولی قواعد بھی ضرور بیان کر دیے گئے ہیں۔ ضروری ہے کہ جو عام قواعد بنیں، وہ ان اصولی قواعد کی روشنی میں بنیں اور ان سے متعارض نہ ہوں۔ یہ بہت مختصر سے ہیں۔ اور انہیں سربراہ کاروں کی صوابدید پر نہیں چھوڑا گیا ہے۔ بلکہ یہ اصولی قواعد بھی خود اصولِ شوریٰ کی طرح ناقابلِ ترمیم و تغیر ہیں۔ اس لیے کہ یہ بھی خاص نصوص کے ذریعہ سے مقرر کیے گئے ہیں۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ جو حکم منصوص ہو اس میں کوئی ترمیم یا تبدیلی نہیں ہوسکتی۔

اصولِ شوریٰ کی تطبیق و تنفیذ کے ان اصولی قواعد میں سے جنہیں شریعت نے لازمی قرار دیا ہے، ایک یہ ہے کہ وہ اقلیت جس کی رائے کے خلاف فیصلہ ہوا ہے، اکثریت کی رائے

© rasailojaraid.com

کی تنفیذ میں جس پر فیصلہ ہوا ہے پوری سرگرمی دکھائے۔ اپنی مخالفت رائے یا اکثریت کی رائے کی حیثیت سے نہیں، بلکہ واجب الاتباع فیصلے کی حیثیت سے، وہ پورے خلوص سے اس کی پابندی کرے۔ اور اس کی ایسی ہی حمایت و مدافعت کرے جیسی کہ اکثریت کرے گی۔ اس لیے کہ اقلیت کسی رائے کے بحث سے گزر کر منظور ہونے کے بعد اس سے اختلاف کا حق نہیں رکھتی۔ اور جو رائے اب عمل میں لائی جانی ہو اس کے بارے میں شکوک پیدا کرنے کی اسے اجازت نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی سنّت رہی ہے، جس کی اتباع سب پر واجب ہے جیسا کہ اللہ نے ارشاد فرمایا:۔

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (الحشر: ۷)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں پوری طرح اس سنّت پر عامل رہے۔ اور آپ کی وفات کے بعد آپ کے اصحاب کا بھی یہی طرز عمل رہا۔ غزوۂ احد کے موقع پر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جانا کہ قریش لڑائی کے لیے جمع ہوئے ہیں اور مدینہ کے قریب پڑاؤ ڈالا ہے، تو آپ نے اپنے اصحاب کو جمع کیا اور ان سے مشورہ لیا کہ آیا باہر نکل کر جنگ کرنی چاہیے یا مدینہ ہی میں محصور رہیں۔ آپ کی اپنی رائے یہ تھی کہ مدینہ سے باہر نہ نکلیں اور اندر ہی رہ کر اپنی حفاظت و مدافعت کا سامان کریں۔ اگر کفار اندر گھس آئیں تو مسلمان گلی کے سروں پر ہی ان کا مقابلہ کریں اور عورتیں گھروں کے اوپر رہیں۔

عبداللہ بن ابی اور بعض صحابہ کی رائے بھی یہی تھی لیکن صحابہ کی اکثریت نے باہر نکلنے کا مشورہ دیا اور اس پر بہت زور دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثریت کی اس رائے پر فوراً مجلس سے اٹھے۔ گھر کے اندر گئے، زرہ پہنی اور باہر آئے، تاکہ دونوں گروہوں کو لے کر مدینہ کے باہر نکلیں اور دشمن سے جنگ کریں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر اکثریت کی رائے کی تنفیذ میں پہل فرمائی۔ حالانکہ خود ان کی رائے اس کے خلاف تھی اور بعد کے حالات کے لحاظ سے خود ان کی رائے ہی زیادہ لائق اتباع تھی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ کی وفات کے بعد صحابہ کرام نے بھی حروبِ ردّہ کے موقع پر اسی سنّت پر عمل کیا۔ ابتداء میں اکثریت کی رائے مرتدین سے جنگ نہ کرنے اور ان سے صلح کر لینے کی تھی۔ اور اقلیت کی رائے جس کے سرخیل حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے ان سے جنگ کے حق میں تھی۔ لیکن بحث کے بعد اکثریت نے حضرت ابوبکرؓ کے دلائل سے مطمئن ہو کر ان کی رائے قبول کر لی۔ پھر جب اسی رائے پر فیصلہ ہوا اور اس کی تنفیذ کا موقع آیا تو مخالف رائے رکھنے والوں نے اس سلسلے میں پہل کی اور اس راہ میں اموال، اولاد اور جانوں کی قربانیاں پیش کیں۔

یہ مبارک سنّت اور یہ بہترین طرزِ عمل شوریٰ کے عام اصول کی تکمیل کرتا ہے اور موجودہ دور میں جمہوریت کی ناکامی کا واحد اور تیر بہدف علاج ہے۔ یہ ایک مسلّمہ امر ہے کہ جمہوری ممالک شوریٰ کے اصول کی تطبیق میں بُری طرح ناکام رہے ہیں۔ اس ناکامی کا بنیادی سبب یہ ہے کہ ان ملکوں میں بحث سے گزر کر اکثریت کی رائے پر فیصلہ ہونے کے بعد بھی اقلیت کو اس فیصلہ شدہ رائے کے خلاف کہنے کا حق رہتا ہے۔ فیصلہ کو عمل میں لانے کے دوران میں بھی وہ اس کی قدر وقیمت اور صلاحیت کے بارے میں شکوک پیدا کرتے ہیں۔ بلکہ عمل میں لائے جانے کے بعد بھی اسے تنقید و تمسخر کا ہدف بنایا جاتا رہتا ہے۔ قاعدہ کے لحاظ سے اکثریت حکومت کی باگ ڈور سنبھالے رہتی ہے لیکن ان کی رایوں اور کام کا جیسا کچھ احترام ہونا چاہیے نہیں ہوتا۔ ان کے منصوبوں اور کاموں کے بارے میں شکوک پیدا کیے جاتے ہیں۔ ان کا مضحکہ اڑایا جاتا ہے اور ہر طریقے سے انہیں بالکل ہیچ اور بے فائدہ ظاہر کیا جاتا ہے۔ اس سے بڑھ کر یہاں تک ہوتا ہے کہ اقلیت، اکثریت کی رائے سے منظور کردہ ان قوانین کی تنفیذ سے باز رہتی ہے اور اس کی تعمیل نہیں کرتی۔ یہ صورتِ حال بالآخر برسرِ اقتدار گروہ کو اقلیت میں تبدیل کر کے رکھ دیتی ہے اور وہ نئی اکثریت کو زمامِ کار سونپ کر مسندِ اقتدار سے ہٹ جاتی ہے۔ اس نئی اکثریت کا بھی وہی حال رہتا ہے جو سابق اکثریت کا تھا۔ اور اس کی رایوں اور اعمال کے ساتھ وہی سلوک ہوتا ہے جو سابق اکثریت کے ساتھ ہوتا رہا تھا۔ اس طرح جو فریق بھی مسندِ اقتدار پر فائز رہتا ہے اس کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رائیں اور اس کے کام ہمیشہ تنقید و تشکیک اور تمسخر و استہزاء کا موضوع بنے رہتے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بحث کے دوران میں تنقید اصلاح کا ذریعہ ہوتی ہے، یا جس رائے پر بحث نہ ہوئی ہو اس پر تنقید کرنا بھی درست ہے۔ لیکن جو رائیں بحث کے مرحلہ سے گزر کر فیصلہ کی صورت اختیار کر چکیں اور اب ان کی تنفیذ و تعمیل ہونی ہے۔ ان پر بحث کرنا اور بے اطمینانی ظاہر کرنا سراسر فساد اور شوریٰ کے اصل اصول ہی کے خلاف ہے۔ شوریٰ کی بنیاد یہ ہے کہ اکثریت کی رائے کے مطابق کاروبارِ حکومت چلایا جائے۔ یعنی عوام کی غالب اکثریت جس رائے پر جمع ہو وہ واجب الاحترام قانون اور حکم بن جاتا ہے۔ جس کی سب کو اطاعت کرنی چاہیے۔

موجودہ جمہوریت میں اکثریت کے مقابلہ میں اقلیت کے اس موقف سے وہی نتیجے برآمد ہوئے جو طبعی طور پر برآمد ہو سکتے تھے۔ حکمراں بے دست و پا ہو کر رہ گئے اور آزادانہ طور پر کچھ کرنے کے قابل نہیں رہے۔ عوام کا اپنے لیڈروں اور پارٹیوں پر سے اعتماد اٹھ گیا۔ وہ ان کی حکمرانی اور امورِ سلطنت کی انجام دہی کے بارے میں مشکوک ہو گئے۔ ان کا اپنے اربابِ قیادت کے بارے میں ایسا سمجھنا حق بجانب بھی تھا۔ انہوں نے کبھی ایسا نہیں دیکھا کہ ان کی کوئی رائے اچھی بھی سمجھی گئی ہو۔ کوئی نظریہ انہوں نے ایسا بھی پیش کیا ہو جس کا مضحکہ نہ اڑایا گیا ہو۔ یا ان کا کوئی منصوبہ تنقید و تشکیک کے حملوں سے بچ بھی سکا ہو۔

جمہوریت کی یہ ناکامی اصول کی نہیں بلکہ تطبیق کی غلطی کی وجہ سے تھی۔ جس کے نتیجہ میں اربابِ اقتدار پر سے عوام کا اعتماد اٹھ گیا تھا۔ لیکن ہر جمہوری ملک میں اس کی کھلی ہوئی ناکامی سے لوگوں نے یہ سوچنا شروع کر دیا کہ خود شوریٰ کا اصول ہی غلط اور ناقابلِ عمل ہے۔ اصول کی تطبیق کی غلطی کے نتیجے میں خود اصول ہی کو غلط ٹھہرایا جانے لگا۔ نتیجتہً ان جمہوری ممالک کی اکثریت نے آمریت کے اصول کو اپنا لیا۔ اور سمجھا کہ اب اس اصول سے جمہوریت کی خرابیوں کا مداوا ہو جائے گا اور بے اعتمادی اور شک کی فضا جس نے سارا اطمینان ختم کر دیا ہے، اس سے دور ہو جائے گی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن بعد کے تجربوں نے ثابت کیا کہ آمریت کا اصول اس سلسلے میں جمہوریت سے بھی زیادہ ناکام رہا ہے۔ اس نے لوگوں کی زبانیں بند کر دیں۔ حریتِ رائے اور آزادیٔ انتخاب کو بالکل ہی سلب کر دیا۔ حاکم و محکوم کے درمیان ایک بے اعتمادی کی فضا پیدا ہو گئی اور اس نے عوام اور حکومتوں کو ناگوار صورتِ حال میں مبتلا کر دیا جس سے سوائے ضرر کے اور کچھ حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جمہوریت کی ناکامی کے بعد آمریت کے ابتدائی تجربے کسی حد تک کامیاب رہے۔ لیکن اس کامیابی کی وجہ دراصل اس نظام کی خوبی اور بہتری نہیں تھی، بلکہ جیسا کہ واقعات اور تجربات سے ظاہر ہوتا ہے، عوام کا حاکموں کی شخصیت پر اعتماد اور ان کے ساتھ تعاون اور اربابِ اقتدار کا سوسائٹی کی بہتری کی خواہش رکھنا اور اس کے لیے کوشش کرنا اس کے اسباب تھے۔ چنانچہ جب ان حاکموں کے طرزِ عمل میں تبدیلی آ گئی یا وہ اپنے مشن میں ناکام رہ گئے اور جو توقعات ان سے باندھی گئی تھیں پوری نہیں ہو سکیں تو باہمی اعتماد کی یہ فضا بھی ختم ہو گئی اور اس نظام میں فساد و اختلال رونما ہو گیا۔ یہی صورتِ حال دراصل نظمِ حکومت میں تغیر و انقلاب کا پیش خیمہ تھی، اگرچہ تغیر کے فوری اسباب و عوامل کچھ اور رہے ہوں جو حاکموں کی کمزوری یا عوام کے زور و قوت کے پیدا کردہ ہوں۔

اس تفصیل کے بعد ہم کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی نظام صرف ایک جمہوریت کی ناکامی ہی کا علاج نہیں بلکہ قوموں کے لیے امن کی ایسی ضمانت ہے جو انہیں آمریت کا شکار ہونے سے بچا سکتی ہے۔ اس لیے کہ اس نظام میں نظری طور پر بھی شوریٰ کے اصول کی بڑی قدر و قیمت ہے اور عملی حیثیت سے بھی اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ یہ نظام تمام قوتوں اور صلاحیتوں کو سوسائٹی کی خدمت کے لیے ابھارتا اور تیار کرتا ہے۔ شوریٰ اور اربابِ حکومت کے بارے میں اعتماد کی فضا پیدا کرتا ہے۔ اور ان تمام رخنوں کو بند کر دیتا ہے جن کے ذریعہ آمریت کے جراثیم یا تخریبی رجحانات سوسائٹی میں گھس آ سکتے ہیں۔

یہاں ایک دوسری حقیقت یہ بھی واضح ہوتی ہے کہ اگرچہ جمہوری نظام کی بنیاد شوریٰ اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعاون پر ہے لیکن تطبیق کی غلطی کے نتیجہ میں ہوتا یہ ہے کہ محکوم حاکموں پر مسلط ہو کر رہ جاتے ہیں اور تعاون کی فضا ختم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح نظام آمریت کی اصل اگرچہ سمع و طاعت اور حاکم و محکوم کا باہمی اعتماد ہے لیکن اس کی غلط تطبیق کے نتیجہ میں حاکم طبقہ کو غیر معمولی اقتدار حاصل ہو جاتا ہے۔ اور ان کا اعتماد جاتا رہتا ہے۔ ان دونوں کے برخلاف اسلامی نظام مشورہ کے مرحلہ میں شوریٰ اور تعاون کی روح اپنے اندر رکھتا ہے اور تنفیذ کے موقع پر سمع و طاعت اور باہمی اعتماد کو اپنا اصول بناتا ہے۔ اس کے اصول و قواعد کسی صورت میں بھی ایک فریق کو دوسرے فریق پر مسلط ہونے نہیں دیتے۔ اس طرح اسلامی نظام نے جمہوریت اور آمریت دونوں کی خوبیاں اپنے اندر جمع کر لی ہیں اور ساتھ ہی دونوں کی خرابیوں اور خامیوں سے اپنے آپ کو پاک رکھا ہے۔

اسلامی شریعت نے شوریٰ کا یہ اصول قوانین موضوعہ سے کوئی گیارہ سو سال قبل پیش کیا ہے۔ انقلابِ فرانس سے قبل تک ان قوانین نے یہ اصول تسلیم ہی نہیں کیا تھا۔ البتہ ایک انگریزی قانون اور ممالکِ متحدہ امریکہ کے قانون کو اس سے مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے کہ اوّل الذکر میں یہ اصول سترھویں صدی میں آچکا تھا اور موخرالذکر نے اٹھارہویں صدی کے اواسط سے اپنانا شروع کیا تھا۔ لیکن فرانسیسی قانون میں یہ اصول اٹھارہویں صدی کے آخر میں رواج پذیر ہوا۔ پھر یہیں سے یہ پھیلا اور انیسویں صدی میں چل کر بہت سے ممالک نے اسے اپنایا۔ پس قوانینِ موضوعہ نے شوریٰ کا اصول پیش کر کے کوئی نئی بات نہیں کی۔ بلکہ ان کی یہ آخری منزل شریعت کا ابتدائی قدم تھا۔ شریعت ساتویں صدی سے جس راہ پہ گامزن تھی۔ اسی کو تھک ہار کر انہوں نے اب اپنایا تھا۔

۲۷۔ **نظریۂ تحدیدِ اختیاراتِ حاکم** | اسلامی شریعت کی ابتداء ہی سے ہم اس کے اندر تحدیدِ اختیاراتِ حاکم کا اہم نظریہ موجود پاتے ہیں۔ اس باب میں اسے تمام شرائع و قوانین پر اولیت حاصل ہے۔ اس نے حاکموں کے اختیارات محدود و مقیّد کیے۔ انہیں تصرف و اختیار کی آزادی و بے قیدی سے روکا۔ امورِ حکومت کو مقررہ حدود میں رہنے کا پابند بنایا اور ان کی غیر مسئول حیثیت کو ختم کر کے غلطیوں اور حدود سے تجاوز کے بارے میں جواب دہ قرار دیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کے تین اہم بنیادی اصول ہیں:۔

(۱) حاکم کے حدودِ اختیارات،

(۲) حاکم کی مسئولیت،

(۳) امت کا حاکم کو معزول کرنے کا حق۔

پہلا اصول، حاکم کے حدودِ اختیارات۔ شریعت کے نزول سے قبل حاکم کے اختیارات غیر محدود اور اس کا اقتدار ہر قسم کی قیود سے بالاتر و برتر تھا۔ حاکم و محکوم کے تعلقات کا سارا دارومدار محض زور و قوت پر تھا۔ قوت ہی حاکم کے اقتدار کا سرچشمہ تھی۔ اور اسی پر اس کے اقتدار کی حدود کا انحصار تھا۔ قوی و زور آور ہر چیز پر اپنا اقتدار جما سکتا تھا۔ اور جہاں کسی کے زور و قوت میں کمی آ گئی تو اسی تناسب سے اس کے اقتدار میں بھی کمی آ جاتی تھی۔ لوگ حاکم کی اطاعت اس لیے نہیں کرتے تھے کہ وہ ان پر حکومت کرتا اور ان کے امورِ سلطنت سنبھالتا ہے۔ بلکہ محض اس لیے اس کے آگے ان کی گردنیں جھکتی تھیں کہ وہ زیادہ زور آور اور قوی ہوتا تھا۔ چنانچہ جب تک وہ اپنی لاٹھی کے زور سے انہیں ہانکے لیے جاتا تھا یا مال و جاہ کی قوت پر انہیں اپنا غلام بنائے رکھتا تھا، وہ اس کے فرماں بردار اور اطاعت شعار بنے رہتے تھے پھر اگر اس کے زور و قوت میں کمی آ جاتی تو کوئی دوسرا اُٹھتا، اور اسے زیر کر کے خود بھی اسی طرح محض زور و قوت کے بل پر اپنا حکم چلاتا۔ رعایا کی حیثیت حکمراں و صاحبِ اقتدار کے غلاموں اور خادموں کی ہوتی۔ خواہ اس نے یہ اقتدار وراثتاً پایا ہو یا زورِ بازو سے حاصل کیا ہو۔

زور و قوت پر اقتدار کی بنیاد ہونے کی وجہ سے ہر ایک کا اقتدار ایک الگ حیثیت کا حامل تھا۔ اس کے کوئی مقررہ آئینی حدود تو تھے نہیں کہ جس سے وہ آگے نہ بڑھ سکیں۔ بلکہ قوت کے بل پر بلا روک ٹوک وہ جو چاہیں کریں اور جو چاہیں نہ کریں۔ نہ کسی کو اُن سے پوچھنے کی جرأت ہو سکتی تھی نہ کوئی اُن پر نگراں تھا۔

یہ حالت یونہی قائم رہی یہاں تک کہ شریعت نے آکر ان پرانے اور ازکار رفتہ طریقوں کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بجائے کچھ نئے اصول رکھے جو ایک طرف انسانی کرامت و بزرگی کے مناسب حال تھے تو دوسری طرف اجتماعی ضروریات کی تکمیل کا بھی جس کے اندر پورا پورا سامان تھا۔ پہلے قدم پر اس نے حاکم و محکوم کے تعلقات کی نوعیت ہی بدل دی۔ اور حاکم کے زور و قوت یا محکومین کی کمزوری کے بجائے جماعتی مصلحت کے تقاضے کو اس کی بنیاد قرار دیا۔ لوگوں کو اختیار دیا کہ وہ اپنا حاکم آپ چنیں، جو ان کی جماعتی مصلحتوں کا خیال رکھ سکتا ہو اور اس کی حفاظت کا ذمہ دار ہو سکتا ہو۔ پھر حاکم کے اختیارات کے حدود مقرر کر دیے، جن سے تجاوز کرنے کا اسے حق نہیں تھا۔ اور اگر تجاوز کر جائے تو نہ صرف یہ کہ اس کا یہ عمل باطل قرار پا جاتا، بلکہ جماعت کو اس بات کا حق ہوتا کہ اسے معزول کر کے کسی دوسرے کو اپنی سربراہ کاری کے لیے چن لے۔

شریعت نے حاکم کی ذمہ داری اور اس کے حقوق و واجبات پوری وضاحت و صراحت سے بیان کر دیے ہیں۔ اس کی ذمہ داری یہ ہے کہ امورِ دین کی نگرانی اور کاروبارِ مملکت کے چلانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت کا حق ادا کرے۔ اسی کے لیے فقہاء نے 'امام' کی اصطلاح وضع کی ہے۔

فقہاء کی تصریح کے مطابق امامت یا خلافت ایک عقد یا معاملہ ہے، جو رضامندی اور پسند کے بغیر منعقد نہیں ہو سکتا۔ اور اس عقد کی رو سے امام یا حاکم امت کے تمام اجتماعی معاملات — داخلی و خارجی — کے انجام دینے کا پابند ہوتا ہے۔ اس کے لیے وہ ہر مفیدِ مقصد ذریعہ سے کام لے سکتا ہے۔ شرط یہ ہے کہ ان حدود سے تجاوز نہ ہو جس کی اللہ نے اپنے رسول کے ذریعہ

۱؎ الاحکام السلطانیہ، ص ۳

۲؎ الاحکام السلطانیہ ص ۶

۳؎ صاحب الاحکام السلطانیہ نے امام کے فرائض ان الفاظ میں گنائے ہیں:۔ حفظِ دین، امن و نظام کی بحالی، اقامتِ حدود، تنفیذِ احکام، سرحدوں کی حفاظت، جہاد، عوامی مالیات کی نگرانی، خراج کی وصولی اور اس کا خرچ، امورِ حکومت کے انجام دینے والے ملازمین کا نظم و انتظام۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وضاحت فرمادی ہے۔ امام کے ان فرائض و التزامات کے مقابلہ میں امت کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ اس کی اطاعت کرے اور اس کے احکام کو وقعت دے۔ ہاں اگر وہ بدل جائے، اس کے طرزِ عمل میں تبدیلی ہو۔ فاسق ہو جائے یا امورِ سلطنت کی انجام دہی کے قابل نہ رہے تو اپنے فسق یا عدمِ قابلیت کی وجہ سے معزول کر دیا جائے گا۔

اس طرح شریعت میں امام یا حاکم مطلق اور بے قید اختیارات کا مالک نہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ وہ جو چاہے کرے اور جو چاہے نہ کرے۔ بلکہ اس کی حیثیت بھی امّت کے ایک فرد کی سی ہے جسے قیادت و سربراہ کاری کے لیے چُنا گیا ہے۔ امّت کے تعلق سے اس کے کچھ فرائض ہیں اور ایسے ہی اسے کچھ حقوق بھی حاصل ہیں۔ اِن فرائض کے ادا کرنے اور ان حقوق کے لینے میں وہ اس بات کا پابند ہے کہ شریعت کی نصوص یا اس کی رُوح سے کسی حال میں متجاوز نہ ہو۔ یہی مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے اِن ارشادات کا:۔

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ (المائدہ: ۴۹)

"اور یہ فرمایا کہ حکم کر ان میں موافق اس کے جو کہ اتارا اللہ نے"

ثُمَّ جَعَلْنٰكَ عَلٰى شَرِيْعَةٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (الجاثیہ)

"پھر ہم نے رکھا تجھ کو ایک رستہ پر دین کے کام کے سو تو اسی پر چل اور مت چل خواہشوں پر نادانوں کی"

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ۔ (المائدہ: ۴۴)

"اور جو کوئی حکم نہ کرے اس کے موافق جو کہ اللہ نے اتارا سو وہی لوگ ہیں کافر"

امام یا حاکم پر اتباعِ شریعت کے اس لزوم اور فیصلوں میں اس کے نصوص کے ملحوظ رکھنے کی اس پابندی کے معنی یہ ہیں کہ اس کے اختیارات نصوصِ شریعت میں محدود و مقید ہیں۔ شریعت جسے جائز قرار دے صرف وہی امور اس کے حدودِ اختیار میں داخل ہیں۔ اور جو اس لحاظ سے ناجائز ہو، اس پر اسے کوئی اختیار نہیں۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ شریعت کی رُو سے جو چیز ایک فرد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے لیے جائز ہے وہی حاکم کے لیے جائز ہے۔ اور جو فرد کے لیے ناجائز ہے وہی حاکم کے لیے بھی ناجائز ہے۔

دوسرا اصول۔ حاکم کی مسئولیت۔ امام یا حاکم کے حقوق و واجبات اور حدود و اختیارات کی اس وضاحت کے بعد، شریعت نے اسے اپنے حدود سے تجاوز کے بارے میں جواب دہ بھی قرار دیا ہے۔ خواہ اس نے یہ غلطی بالارادہ کی ہو یا محض غفلت کا نتیجہ ہو۔ حاکم کی مسئولیت کی یہ دفعہ اصول شریعت کا منطقی تقاضا تھی۔ شریعت نے حاکم کے حقوق و واجبات بیان کر کے ان حدودِ شریعت کی پابندی اس پر لازمی قرار دی۔ اُسے اُمت کے ایک عام فرد کی حیثیت دی۔ عام افراد کے مقابلہ میں اسے کوئی امتیاز نہیں دیا۔ اس لحاظ سے اصولی طور پر عدل و مساوات کا یہ ایک لازمی تقاضا تھا کہ جس طرح ایک فرد اپنے اعمال مخالفِ شریعت پر جواب دہ ہے، اسی طرح حاکم بھی جواب دہ ہو۔ بلا ارادہ اس سے کوئی غلطی سرزد ہوئی ہو یا ارادۃً اس نے حدود سے تجاوز یا فرائض سے پہلو تہی کی ہو، ہر حال میں اس سے پوچھا جائے۔

تیسرا اصول۔ اُمت کا حاکم کو معزول کرنے کا حق۔ اوپر بیان کر آئے ہیں کہ امامت ایک عقد و معاملہ ہے جس میں طرفین پر کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ عوام اپنا حاکم منتخب کر کے اسے اجتماعی امور کے انتظام اور شریعت کے خطوط پر قیادت و رہنمائی کے فرائض سونپتے ہیں۔ اور اس کے مقابلے میں اس کی اطاعت و حکم برداری کے پابند ہوتے ہیں اس لحاظ سے اصول و منطق کا یہ تقاضا ہے کہ جو حاکم مقررہ حدود میں اپنا فرض منصبی ادا کرتا ہے، عوام بھی اس کی اطاعت کریں۔ لیکن جو اپنے فرائض سے یکسر غافل ہے، یا حدود کا پابند نہیں[۱] اسے کوئی حق نہیں پہنچتا کہ عوام سے سمع و طاعت کا مطالبہ کرے۔ بلکہ چاہیے کہ وہ اپنی جگہ خالی کر دے تاکہ

---

[۱] حاکموں کی مسئولیت کے بارے میں مفصل بحث ان شاء اللہ آگے آئے گی۔ اشخاص پر احکامِ شریعت کے انطباق کے سلسلے میں ہم اس پر تفصیلی گفتگو کریں گے۔ یہاں ہم نے صرف شریعت کے امتیاز اور قوانین موضوعہ پر اس کی سبقت و اوّلیت کو ظاہر کرنے کی حد تک گفتگو کو محدود رکھا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوئی دوسرا زیادہ موزوں اور اللہ کے حدود کا خیال رکھنے والا شخص زمام حکومت سنبھال لے۔ اگر وہ اپنے اختیار سے ایسا نہیں کرتا تو عوام زبردستی اسے اس مقام سے ہٹا دیں اور کسی دوسرے کو منتخب کریں۔

یہ جو اصولی اعتبار سے ہونا چاہیے، وہی شریعت میں ہے بھی۔ قرآن و حدیث سے یہی اصول ثابت ہوتا ہے اور اسی پر خلفائے راشدین اور ان کے بعد آنے والوں کا عمل رہا ہے۔ اللہ جل شانہ نے اولوالامر کی اطاعت کا حکم دیا ہے، لیکن یہ اطاعت مطلق نہیں ہے بلکہ ان حدود میں محدود ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ واضح کی گئی ہیں۔ ارشاد خداوندی ہوتا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ، فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ- إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا - (النساء: ۵۹)

"اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور حاکموں کا جو تم میں سے ہوں۔ پھر اگر جھگڑ پڑو کسی چیز میں تو اس کو رجوع کرو طرف اللہ کے اور رسول کے اگر یقین رکھتے ہو اللہ پر اور قیامت کے دن پر۔ یہ بات اچھی ہے اور بہت بہتر ہے اس کا انجام"

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔ لا طاعة لمخلوقٍ فی معصية الخالق (ان امور میں مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں جن سے خالق کی معصیت ہوتی ہو) ۔ اور فرمایا: انما الطاعة فی المعروف (اطاعت صرف معروف امور میں ہے) ۔ اصحاب امر کے بارے میں فرمایا: من امرکم منھم بمعصية فلا سمع ولا طاعة (ان اصحاب امر میں سے جو تمہیں گناہ کا حکم دے نہ اس کی بات سنی جائے نہ کہنا مانا جائے) ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسلمانوں نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ منتخب کیا آپ نے جو پہلا خطبہ دیا تو اس میں انہی معنی کی وضاحت تھی۔ فرمایا:۔

ایھا النّاسُ! قد ولیت علیکم ولستُ بخیرکم، ان احسنتُ فاعینونی، فان اسأتُ فقوّمونی۔ اطیعونی ما اطعت اللہ ورسولہ فان عصیت اللہ ورسولہ فلا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طاعۃ لی علیکم۔

"اے لوگو! میں تمہارا والی بنا دیا گیا ہوں حالانکہ میں تم میں بہتر نہیں تھا نیکی کی راہ پر رہوں تو میری مدد کرو۔ اور اگر برائی کروں تو سیدھا کرو۔ جب تک اللہ و رسول کی اطاعت کروں، میری اطاعت کرو اور اگر اللہ و رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر میری کوئی اطاعت نہیں)

ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے والی ہوئے، وہ شریعت کے ان معنی کی وضاحت کے بڑے حریص تھے۔ اور اسے اچھی طرح لوگوں کے ذہنوں میں بٹھا دینا چاہتے تھے۔ ایک دن خطبہ دیا اور فرمایا:۔

لوددت انی وایاکم فی سفینۃ فی لجۃ البحر تذھب بنا شرقاً وغرباً۔ فلن یعجز الناس ان یولوا رجلا منھم فان استقام اتبعوہ وان جنف قتلوہ۔

طلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔ وما علیک لو قلت وان تعوج عزلوہ۔ (بہتر ہوتا کہ آپ کہتے اگر غلط روی اختیار کرے تو معزول کردیں۔ فرمایا:۔ لا القتل انکل لمن بعدہ" (نہیں، قتل سب سے زیادہ عبرت انگیز سزا ہے")

شریعت نے اپنا یہ نظریہ ایسے زمانہ میں پیش کیا، جب کہ حاکموں کو محکوموں پر غیر محدود اقتدار حاصل تھا۔ پس شریعت کا یہ نظریہ سوسائٹی کے رجحانات کی تائید اور اس کے حالات کی موافقت میں نہیں تھا۔ بلکہ اگر ایک طرف ایسے نظریہ کا پیش کرنا ایک دائمی اور کامل شریعت کے لیے ناگزیر تھا تو دوسری طرف اس کا مقصود سوسائٹی کی سطح کو بلند کرنا اور اسے ترقی کی راہ پر ڈالنا تھا۔ گویا یہ نظریہ شریعت کی تکمیل اور سوسائٹی کی توجیہ و رہنمائی کے لیے پیش کیا گیا تھا۔

اس کے بعد اس نظریہ کی نصوص پر نگاہ ڈالیے۔ آپ دیکھیں گے کہ وہ انتہائی درجہ عمومیت اپنے اندر رکھتی ہیں۔ اور ایسی لچک ان میں ہے کہ ہر زمانہ اور ہر مقام کے لیے کارآمد ہوں۔ خواہ کیسے ہی حالات پیش آئیں ان میں کوئی تنگی نہیں محسوس ہوگی۔

شریعت کو اس سلسلے میں تمام قوانین موضوعہ پر سبقت و اولیت کا امتیاز بھی حاصل ہے اس

© rasailojaraid.com